ڈیڑھ سو روپیہ

میں نے ڈیڑھ سو روپے کو ہمیشہ ایک ڈبل روٹی، چکن شاش لیک کی ایک سلائی، جوس کے ایک گلاس اور ایک درجن کیلوں کی نظر سے دیکھا، میری نظر میں یہ ایک حقیر رقم تھی اور میں نے کبھی ڈیڑھ سو روپے کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی، آپ نے بھی کبھی ڈیڑھ سو روپے کو زیادہ وقعت نہیں دی ہوگی، سو روپے یا چار، پانچ سو روپے عموماً آپ کی گاڑی کے ڈیش بورڈ، کنسول باکس یا سیٹ کے دائیں بائیں چھوٹے بڑے خانوں میں پڑے ہوتے ہیں، اتنی یا اس سے زیادہ رقم آپ کی جیبوں میں بھی دھری رہتی ہوگی اور آپ نے کبھی اس رقم کو سنجیدگی سے نہیں دیکھا ہوگا لیکن آج سے مہینہ بھر پہلے میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا اور مجھے زندگی میں پہلی بار محسوس ہوا ڈیڑھ سو روپے بھی بڑی رقم ہے اور یہ رقم کسی شخص کے لیے سردیاں گذارنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

ہم لوگ عیدالاضحیٰ سے پہلے مہنگائی پر پروگرام ریکارڈ کرنے کے لیے راولپنڈی کے راجہ بازار گئے، ہم مختلف لوگوں سے ملتے رہے، ان میں دکاندار بھی تھے، ٹھیلے اور ریڑھیوں والے بھی تھے، چائے خانوں، ہوٹلوں اور دکانوں کے تھڑوں پر بیٹھے لوگ بھی تھے، لنگر کی لائن میں لگے بچے بھی تھے اور عید کے لیے خریداری کرنے والے لوگ بھی۔ ہر شخص مہنگائی کا رونا رو رہا تھا، مزدور کو بیس بیس دن مزدوری نہیں ملتی تھی اور بیس دن بعد ملتی بھی تھی تو دو اڑھائی سو روپے، وہاں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے زندگی میں کبھی پانچ ہزار کا نوٹ نہیں دیکھا تھا، وہاں ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش دس ہزار روپے تھی، لوگ تین وقت کے کھانے کو زندگی کی سب سے بڑی عیاشی بھی سمجھتے تھے جو اپنے اور اپنے گھر والوں کا کھانا لینے کے لیے تین تین گھنٹے لنگر کی قطار میں کھڑے رہتے تھے غرض ہر شخص غربت کی ایک دلخراش کہانی تھا اور یہ کہانیاں اسلام آباد سے صرف تین کلومیٹر کے فاصلے پر تھیں اور اسلام آباد کے باسی اپنے دس دس کروڑ روپے کے گھروں میں بیٹھ کر یا کروڑ کروڑ روپے کی گاڑی میں سفر کرتے ہوئے یا پھر نوے وزراء پر مشتمل حکومت جس کے ہر وزیر پر روزانہ ایک لاکھ روپے خرچ ہوتے ہیں یہ سوچ بھی نہیں سکتی اس سے صرف تین کلومیٹر کے فاصلے پر ایسے لوگ رہتے ہیں جن کے بچے صبح آٹھ بجے مٹی کا پیالہ لے کر لنگر کی قطار میں کھڑے ہوتے ہیں، دوپہر دو بجے ان کی باری آتی ہے، یہ بچے دال کے دو چمچ اور تین روٹیاں لے کر گھر آتے ہیں اور سارا خاندان اس دال میں ایک گلاس گرم پانی ڈال کر ناشتا کرتا ہے اور جس دن لنگر کا بندوبست نہ ہو سکے، ہوٹل بند ہو یا ہوٹل کے مالک کو 'ڈونر' نہ ملے اس دن ان لوگوں کے گھروں میں فاقے ہوتے ہیں اور ان بے چارے لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں ان سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر ایسے لوگ رہتے ہیں جن کے کتے امریکی اور برطانوی خوراک کھاتے ہیں، جن کے کچن چوبیس گھنٹے آباد رہتے ہیں اور جن پر زندگی اپنے سات رنگوں کے ساتھ مہربان ہے اور جنہوں نے غربت کو اب تک صرف 1975 کی فلموں میں دیکھا ہے اور جنہیں یہ تک معلوم نہیں دس بیس ہزار روپے پورے خاندان کا مقدر بدل سکتے ہیں بہرحال یہ ایک خوفناک مشاہدہ اور تجربہ تھا۔

میں واپس ڈیڑھ سو روپے کی طرف آتا ہوں، ہم اس ریکارڈنگ کے دوران ایک پھیری والے کے پاس رک گئے، یہ نوجوان پٹھان تھا جس نے زمین پر کپڑا بچھا کر اس پر لنڈے کے سویٹر، کوٹ، چادروں اور جرابوں کا ڈھیر لگا رکھا تھا، یہ ایک سویٹر اٹھاتا تھا، اسے ہوا میں لہراتا تھا اور دو سو روپے، دو سو روپے کے نعرے لگاتا تھا، اس کے گرد گاہکوں کا ہجوم تھا، گاہک سویٹر، چادریں اور کوٹ اٹھا کر دیکھتے، پہنتے اور اس سے بھاؤ تاؤ شروع کر دیتے ہجوم سے ذرا ہٹ کر ایک بوڑھی خاتون اور اس کا نوجوان بیٹا کھڑا تھا، غریب بوڑھی خاتون کی ہڈیاں تک نگل گئی تھی۔ وہ چند نسوں اور لاکھوں جھریوں کا مجموعہ لگتی تھی، اس کے بیٹے نے باریک شلوار قمیض پہن رکھی تھی اور وہ سردی سے کپکپا رہا تھا، میں نے اس سے سوال جواب شروع کیے تو معلوم ہوا کہ بوڑھی خاتون بیٹے کے لیے سویٹر خریدنے آئی تھی لیکن سویٹر اس کی قوتِ خرید سے مہنگا تھا، میں نے سویٹر کی قیمت پوچھی تو معلوم ہوا کہ دکاندار ڈیڑھ سو روپے سے کم میں سویٹر فروخت کرنے پر راضی نہیں جب کہ ماں بیٹے کے پاس صرف ستر روپے ہیں چنانچہ یہ لوگ مایوسی کے عالم میں سائیڈ پر کھڑے ہو گئے، میں نے نوجوان سے پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی سویٹر نہیں اس نے بتایا اس نے تین سال پہلے لنڈے سے سویٹر خریدا تھا لیکن وہ تین سال کے استعمال کے بعد چھوٹا بھی ہو گیا اور پھٹ بھی گیا لہٰذا اس سال سویٹر خریدنا بہت ضروری ہے ورنہ یہ سردیاں اسے ٹھٹھر کر گذارنا پڑیں گی، میرے ساتھ مدثر تھا، مدثر ہمارے شو کا پروڈیوسر ہے، مدثر ان کی

© AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION

بے چارگی سے اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً جیب سے ڈیڑھ سو روپے نکالے دکاندار کے ہاتھ پر رکھے اور سویٹر خرید کر نوجوان کے حوالے کر دیا، نوجوان اور اس کی ماں چند لمحوں کے لیے مبہوت ہو گئے اور انہوں نے مدثر کو ان نظروں سے دیکھا جیسے وہ فرشتہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرشتہ صرف ان کی مدد کے لیے آسمان سے اتارا ہو۔

یہ منظر میری آنکھوں سے ہوتا ہوا دل میں اتر گیا اور اسکے بعد میں جب بھی ڈیڑھ سو روپیہ دیکھتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے یہ فقط سوا اور پچاس کے دو نوٹ نہیں یہ اس ملک کے بے شمار لوگوں کی ٹوٹتی، پھوٹتی اور بکھرتی خواہشوں کا سامان ہیں، یہ ڈیڑھ سو روپے لنڈے کا کمبل بن کر، یہ سویٹر بن کر، یہ جرابوں کے دس بیس جوڑے بن کر اور یہ لنڈے کے جاگرز بن کر کسی شخص اور ٹھٹھرتی منجمد ہوتی سردیوں کے درمیان ڈھال بن سکتے ہیں، ہم اگر ان ڈیڑھ سو روپے کا مناسب استعمال سیکھ لیں، ہم روزانہ ڈیڑھ سو روپے بچائیں، راجہ بازار جیسے بازاروں میں جائیں، لنڈے کی کسی ریڑھی کے قریب چپ چاپ کھڑے ہو جائیں اور جس ماں، جس باپ اور جس بچے کے پاس ڈیڑھ سو روپے نہ ہوں اس کے لیے سویٹر، کوٹ، چادریں اور جرابیں خریدیں تو یہ حقیر سے ڈیڑھ سو روپے بھی بہت قیمتی ہو سکتے ہیں، یہ بے شمار لوگوں کی سرد راتیں گرم کر سکتے ہیں، آج بھی راولپنڈی شہر میں ایسے سینکڑوں لوگ رہتے ہیں جو ٹھنڈے فٹ پاتھوں، منجمد پلوں اور برف کی سل کی طرح یخ سڑکوں پر گلی کے کتوں کو بغل میں دبا کر سونے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ یہ کتے انہیں منفی سینٹی گریڈ میں حرارت دیتے ہیں آپ تصور کیجیے کہ انسان کس طرح زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے کتے کا محتاج ہو جاتا ہے۔ راولپنڈی جیسے تمام چھوٹے بڑے شہروں میں سردیاں شروع ہوتے ہی لنڈے بازار آباد ہو جاتے ہیں اور خوش حال گھرانوں کی خواتین بھی چہروں پر نقاب ڈال کر ان بازاروں کا چکر لگانا شروع کر دیتی ہیں لیکن مہنگائی کیونکہ لنڈے بازاروں تک پہنچ چکی ہے چنانچہ یہ خواتین بھی سارا سارا دن بازاروں میں دھکے کھا کر خالی ہاتھ واپس لوٹ جاتی ہیں۔

آپ رات کے تیسرے پہر اپنے شہر کی گلیوں، چوکوں اور چوراہوں میں گھوم کر دیکھیں، آپ کو وہاں زندگی کا ایک نیا پہلو دکھائی دے گا آپ کو بے شمار لوگ کاغذ، پرانے کپڑے، لکڑی کے چھوٹے بڑے ٹکڑے اور پرانے ٹائر ٹیوب جلا کر آگ تاپتے دکھائی دیں گے، آپ ایک لمحے کے لیے ان کے پاس رک کر دیکھیں، آپ کو معلوم ہو گا ان لوگوں کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش ایک پرانا کمبل، ایک بوسیدہ رضائی، ایک چٹائی، ایک گدا اور شاید ایک سویٹر یا ایک گرم چادر ہے اور ان کے پاس اتنی رقم بھی نہیں کہ یہ سویٹر یا چادر ہی خرید سکیں چنانچہ یہ لوگ بازار بند ہونے کا انتظار کرتے ہیں، کاغذ اور لکڑی کے ٹکڑے جمع کرتے ہیں، ان کے نیچے ٹائر یا ٹیوب کا کوئی ٹکڑا رکھتے ہیں، آگ لگاتے ہیں اور اس آگ پر ہاتھ اور پاؤں سینک کر رات گذار دیتے ہیں۔

کاش ہم میں سے چند لوگ چھوٹے چھوٹے کچھ ادارے بنائیں، یہ ادارے ہم جیسے لوگوں سے روزانہ ڈیڑھ سو روپے لیں اور ہر سال لنڈا خرید کر ان لوگوں میں تقسیم کر دیں جن کی زندگی ایک کمبل، ایک سویٹر، ایک رضائی، ایک گدے اور گرم جرابوں کے چند جوڑوں کے لیے ترس رہی ہے اور یہ لوگ سویٹر کی خواہش لے کر گھر سے نکلتے اور رات کو حسرت لے کر واپس لوٹ آتے ہیں، یہ لوگ روز لنڈے کی ریڑھیوں کے قریب کھڑے ہو جاتے ہیں اور لوگوں کو آتے، سویٹر، چادریں خریدتے دیکھتے ہیں اور ہر بار اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر دس دس روپے کے سات نوٹ گنتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں ابھی ایک معجزہ ہو گا اور یہ ستر روپے ڈیڑھ سو روپے بن جائیں گے اور یہ اپنے ماپ کا سویٹر خرید کر خوشی خوشی گھر لوٹ جائیں گے لیکن معجزہ نہیں ہوتا ان کے ستر روپے ستر روپے ہی رہتے ہیں، ڈیڑھ سو روپے نہیں بنتے کیوں نہیں بنتے؟ اس لیے نہیں بنتے کہ بے حس معاشروں میں معجزوں کی فصلیں کاشت نہیں ہوا کرتیں، خدا ان زمینوں پر مہربان نہیں ہوتا جن زمینوں پر رہنے والے چند لوگوں کی نظروں میں ڈیڑھ سو روپے حقیر رقم ہوتی ہے جب کہ کروڑوں لوگ اس کے لیے ترستے رہتے ہیں۔

روزنامہ ایکسپریس 14.12.2010 (ماخوذ) جاوید چوہدری

الھدیٰ انٹرنیشنل ویلفیئر فاؤنڈیشن

اسلام آباد: 7-اے کے بروہی روڈ H-11/4 اسلام آباد پاکستان
کراچی: 30-اے سندھی مسلم کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی پاکستان

فون: 1-4866130-51-92+ 9-4866125-51-92+
پبلی کیشنز AL HUDA PUBLICATIONS
فون: 4-34313273-21-92+ 34528547-21-92+

www.alhudapk.com
www.farhathashmi.com

06010053

©AL-HUDA INTERNATIONAL WELFARE FOUNDATION